فکر و نظر ----- اسلام آباد   جلد: ۳۴   شمارہ: ۲

فہم قرآن میں جاہلی شاعری کی ضرورت و اہمیت اور استفادہ کی حدود

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی ☆

موضوع زیر بحث میں فہم قرآن سے ہماری مراد قرآن حکیم کے مضامین کا سطحی علم نہیں بلکہ اس میں تدبر و تفکر کے بعد مجتہدانہ طور پر احکام کا استنباط کرنا، کلام کے مدلول و منطوق کو کماحقہ سمجھنا، اس کے حقیقی مفہوم کو متعین کرنا اور اس کے دقائق و معارف تک رسائی حاصل کرنا ہے۔

یہ صلاحیت اور استعداد چونکہ ہر شخص کو حاصل نہیں اس لئے فہم قرآن کی اہلیت کے لئے ایک خاص معیار مقرر ہے اور اس کے لئے چند مخصوص شرائط و آداب ہیں جن کی رعایت سے انسان غلطی سے محفوظ رہ کر حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ محققین نے فہم قرآن کے لئے جن علوم مہارتوں اور صلاحیتوں کو ضروری قرار دیا ہے ان میں سب سے بنیادی شرط "عربیت" ہے۔

فہم قرآن میں عربی زبان کی اہمیت:

قرآن حکیم خالص اور صاف عربی زبان میں نازل ہوا ہے "بلسان عربی مبین"۔ (۱) اور یہ زبان اپنے حسن، جامعیت، وسعت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بلاشبہ ام الألسنة اور عروس الالسنة کہلانے کی مستحق ہے، یہ صرف اس زبان کا طرہ امتیاز ہے کہ اس میں کتاب الٰہی کی گہرائی و گیرائی کو اپنے دامن میں سمیٹنے اور اس کے علوم و معارف کو بیان کرنے کی صلاحیت

☆ شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، مانسہرہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

موجود ہے۔

قرآن حکیم چونکہ خالص محاورہ عرب کے مطابق نازل ہوا ہے اس لئے قرآن حکیم کے اولین مخاطبین (صحابہ کرامؓ) صاحب اللسان ہونے کی بناء پر فطری ذوق اور مہارت طبعی' نیز شارح قرآن سے براہ راست کسب فیض کی وجہ سے کتاب اللہ کے منطوق و مراد کو باسانی سمجھ لیتے تھے' بعد میں عجمی اقوام کے ساتھ اختلاط' عربی ذوق کی کمی اور لسانی تغیرات کے نتیجہ میں فہم قرآن میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں تو دیگر علوم و فنون اور قواعد و اصول کے ساتھ ساتھ اصل لغت (جس کا ماخذ جاہلی شاعری ہے) کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آئی۔

فہم قرآن کے اصل ماخذ:

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جن آیات کا مفہوم واضح اور آسان ہو اور اس کے مفہوم میں کسی قسم کا ابہام' اجمال اور اشتباہ نہ ہو اور نہ ہی اس کے سمجھنے کے لئے دیگر متعلقہ علوم کی ضرورت ہو ایسی آیات کی تفسیر کا مأخذ لغت عرب ہے' اس کے لئے صرف عربی زبان میں مہارت اور بصیرت شرط ہے (۲)' لیکن جن آیات میں کسی قسم کا اجمال' ابہام یا اشتباہ ہو یا اس کا مفہوم سمجھنے میں کچھ مشکلات ہوں' یا ان کی وضاحت کے لئے تاریخی پس منظر کا علم ضروری ہو یا ان آیات سے احکام ومسائل اور اسرار و معارف کا استنباط مقصود ہو تو ایسے مواقع پر لغت کی حیثیت ثانوی ہوگی' اولین ترجیح قرآن حکیم' احادیث نبوی اور آثار صحابہ و تابعین کو حاصل ہے۔ یہاں ہم قدرے اختصار کے ساتھ ان ماخذ کی اصل حیثیت پر بحث کریں گے۔

ماخذ اول۔ قرآن حکیم:۔

مفسرین کے ہاں اس پر اتفاق ہے کہ تفسیر قرآن کا پہلا مأخذ خود قرآن حکیم ہے: اس کے الفاظ و محاورات سمجھنے کے لئے خود قرآنی لغات و مصطلحات کی طرف رجوع ضروری ہے' القرآن یفسر بعضہ بعضا۔ "بسا اوقات ایک لفظ کسی آیت میں مبہم نظر آتا ہے' یا کسی آیت کا ایک پہلو بالکل مخفی ہوتا ہے مگر دوسرے مقام پر وہ بالکل واضح ہو جاتا ہے' اس قسم کی مثالیں قرآن حکیم میں جابجا ملتی ہیں' یہاں ہم چند مثالوں کے ذریعے اس کی وضاحت کریں گے۔

قرآنی لغات سے معنی و مفہوم کی تعیین:

مثلاً آیت کریمہ " فتلقی ادم من ربہ کلمات۔ (۳) میں "کلمات" سے مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے " قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین"۔ (۴) یا آیت کریمہ "یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم۔ (۵) میں "نعمت" سے مراد کیا ہے؟ دوسری آیت میں اس کی وضاحت نبوت، حکومت اور دیگر فضائل خصوصی کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً فرمایا واذ قال موسی لقومہ یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واتکم مالم یوت احدا من العالمین۔ (۶)

یہی صورتحال قصص و واقعات کے ضمن میں پائی جاتی ہے کہیں اجمالاً مذکور ہیں اور کہیں تفصیلاً۔

اس لئے جہاں کلمات و آیات کی وضاحت خود قرآن حکیم سے ہو رہی ہو وہاں لغت وغیرہ سے استفادہ درست نہ ہوگا اس کی ایک مثال اولمستم النساء - (۷) کے الفاظ ہیں بعض نے "لمس" سے اس کا حقیقی معنی (مطلق بدن کا چھونا) مراد لیا ہے جب کہ بعض مجازی معنی یعنی (مباشرت) مراد لیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں تحقیق و تفحص سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کو صراحۃ ذکر کرنے کے بجائے کنایۃ بیان کیا ہے۔ مثلاً حیض کے مسائل میں " فاعتزلوا النساء فی المحیض۔ (۸) میں "اعتزال" سے مراد مجامعت سے رکنا ہے" اور طلاق کے مسائل میں "لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن۔ (۹) میں اور آیت "وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن"۔ (۱۰) میں مس " سے مباشرت مراد ہے اس طرح عدت کے مسائل میں ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا"۔ (۱۰الف) میں "مس" سے مجامعت ہی مراد ہے۔

ان آیات کو ملانے سے ان کا معنی خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔

آیت کریمہ "قل اعوذ برب الفلق۔ (۱۱) میں "فلق" سے مراد کیا ہے؟ اس کا ترجمہ عام طور پر "صبح کے رب" کے ساتھ کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کے اصل معنی پھاڑنے کے" آتے ہیں، صبح چونکہ شب کے پردے کو چاک کر کے نمودار ہوتی ہے اس وجہ سے اس پر کبھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، مگر "فلق" کا مصداق صرف صبح ہی نہیں دیگر اشیاء بھی ہو سکتی ہیں جن میں یہ خصوصیت پائی

جاتی ہے۔ مثلاً ہر چیز کسی نہ کسی چیز کے اندر سے اس کو چاک کر کے ہی نمودار ہوتی ہے، گٹھلی سے پودا نمودار ہوتا ہے، دانے کو پھاڑ کر آنکھوے نکلتے ہیں، زمین کو پھاڑ کر نباتات اگتے ہیں، پہاڑوں کا سینہ چاک کر کے چشمے اور دریا ابلتے ہیں، اسی طرح انڈے کو پھاڑ کر بچے نکلتے ہیں اور رحم کے منہ کو کھول کر دوسری تمام زندہ مخلوقات وجود پذیر ہوتی ہیں۔ معاصر مفسر امین احسن اصلاحی اس لفظ کی تحقیق میں لکھتے ہیں: "لغت میں یہ لفظ وسیع معنی میں آیا ہے۔ قرآن میں "فالق الاصباح" (۱۲) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے، اسی طرح "فالق الحب والنوی" (۱۳) کی ترکیب بھی وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان سے متعلق ارشاد ہے۔ "کانتا رتقا ففتقنهما۔" (۱۴) وہ دونوں بند ہوتے ہیں تو ہم ان کو پھاڑتے ہیں یعنی آسمان کو کھول کر اس سے پانی برساتے ہیں اور زمین کو پھاڑ کر اس سے نباتات اگاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس لفظ کی وسعت کے پیش نظر "رب الفلق" کا ترجمہ "نمودار کرنے والے رب" کا کرتے ہیں اور یہ ترجمہ زیادہ جامع اور معنی خیز ہونے کے ساتھ ساتھ آگے کے مضمون سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ (۱۵) اس طرح قرآنی آیات کو اکٹھا کر کے معنی و مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے۔

سیاق و سباق سے معنی و مفہوم کی تعیین:

قرآن حکیم میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جو ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتے ہیں۔ ایک ہی لفظ بیسیوں مقامات پر مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، سیاق و سباق کی تبدیلی اکثر اس کے معنی و مفہوم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں سیاق و سباق (Context) اور نظم قرآن میں غور و فکر کر کے معنی و مفہوم کی تعیین کی جاتی ہے، اس سے صرف نظر کر کے حقیقت تک پہنچنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ "روح" قرآن حکیم میں "جرائیل امین" کے لئے بھی استعمال ہوا ہے " نزل به الروح الامین علی قلبک۔ (۱۶) اور حضرت عیسی کے لئے بھی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "وروح منه" (۱۷) سے مراد عیسی ہیں اور "وحی" کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ اور جان کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے: " ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ (۱۸) اسی طرح لفظ کتاب "اور ذکر" قرآن حکیم میں متعدد معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، سیاق و سباق میں غور و فکر سے ان کے معانی خود بخود واضح اور متعین ہو جاتے ہیں اور بہت سے مشکل اور پیچیدہ مسائل کی تشریح و

توضیح ہو جاتی ہے۔

اس سے انکار ممکن نہیں کہ فہم قرآن میں بنیادی ماخذ خود قرآن حکیم ہے مگر یہ کہنا سراسر زیادتی ہے کہ "قرآن حکیم اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے وہ اپنے معنیٰ و مفہوم کی تعیین، اپنے مقاصد و مطالب کی تفسیر اور اپنے نکات و حقائق کی تشریح کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں۔" جیسا کہ ایک معاصر مفسر نے اس رائے کا اظہار کیا ہے (۱۹) اس نقطۂ نظر کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں جہاں ہمیں سنت کے ذخائر سے محروم ہونا پڑے گا وہاں سلف کے عظیم تفسیری ورثہ کو بھی نظر انداز کرنا پڑے گا حالانکہ شرح قرآن میں ان کی اہمیت و افادیت سے خود مفسر موصوف کو بھی انکار نہیں۔

مأخذ دوم ۔ احادیث نبوی:

قرآن حکیم میں جہاں کہیں خفاء، اشکال، اجمال و ابہام پایا جاتا ہے، صاحب قرآن نے سنت کے ذریعہ اس کی شرح و توضیح کر دی ہے اس لئے کہ خود قرآن حکیم نے "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم۔ (۲۱) اور ویعلمھم الکتب والحکمۃ (۲۱) کے ذریعے آپ ؐ کو قرآن حکیم کا شارح، معلم اور مفسر قرار دیا ہے اس لئے اس کڑی کو نظر انداز کر کے مراد الٰہی تک پہنچنا ممکن نہیں، بلکہ اس کے بغیر قرآن حکیم مبہم او امر و نواہی اور قصوں کا ایک مجموعہ بن کررہ جاتا ہے، حتی کہ اہم عبادات صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ کی کوئی حقیقی شکل و صورت بھی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ عبادات کے یہ عنوان لغت میں چاہے کسی بھی معنی کے لئے مستعمل ہوں مگر سنت نے ان کے معانی اور عملی صورت متعین کر دی ہے۔ جہاں ہم الفاظ قرآنی کے مطالب سمجھنے میں لغت عرب کے محتاج ہیں وہاں احکام قرآنی کی عملی شکل متعین کرنے میں حدیث و سنت کے محتاج ہیں۔

صحابہ کرام جن کی مادری زبان عربی تھی وہ عربی زبان کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اسالیب وغیرہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے، نزول قرآن کے ماحول سے بھی پوری طرح باخبر تھے مگر اس کے باوجود بعض مشکلات قرآنی کے فہم میں صاحب وحی کی طرف رجوع کرتے تھے، کبھی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت یا لفظ کی وضاحت فرما دیتے تھے۔ مثلاً آپ ؐ نے "ولم یلبسو ایمانھم بظلم" (۲۲) میں "ظلم" کی تفسیر "شرک" کے ساتھ "مغضوب علیھم" (۲۳)

کی یہود کے ساتھ اور "ولا الضالین" (۲۴) کی نصاری کے ساتھ فرمائی ہے۔ اسی طرح "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ" (۲۵) میں قوۃ کی تفسیر "رمی سے" اور "کلمۃ التقوی" (۲۶) کی کلمہ طیبہ کے ساتھ کی ہے۔ "الخیط الأبیض" (۲۷) سے مراد دن اور "الخیط الأسود" (۲۸) سے رات مراد لی ہے۔ چور کی سزا "فاقطعوا ایدیھما" (۲۹) میں مطلق ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ اور ولقد اتیناک سبعا من المثانی" (۳۰) میں "سبع مثانی" سے سورہ فاتحہ مراد لی ہے۔

اس طرح کی مثالیں احادیث کے مجموعوں میں بالخصوص "کتاب التفسیر" کے عنوان کے تحت بکثرت ملتی ہیں۔ البتہ تفسیری روایات کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ ذخیرہ صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات پر مشتمل ہے۔ بہت سے قدیم مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ان روایات کو بلا تحقیق جمع کر دیا ہے، خود بخاری شریف کی تفسیری روایات کے متعلق محدث شہیر علامہ انور شاہ کشمیری" کی رائے یہ ہے کہ "صحیح بخاری میں جو تفسیری اقوال ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ یہی امام بخاری" کا فیصلہ بھی ہے بلکہ اس باب میں ان کی حیثیت صرف ناقل کی ہے، امام بخاری" نے ابو عبید معمر بن مثنی کی کتاب "مجاز القرآن" پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اقوال کسی تنقید کے بغیر اپنی کتاب بخاری میں لے لئے"۔ (۳۱)

اس لئے محدثانہ اصولوں کے مطابق ان میں تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کے بعد ہی ان سے استناد کرنا ہوگا۔

ماخذ سوم ۔ اقوال صحابہ و تابعین:

صحابہ کرام کی بیان کردہ تفسیر کو فہم قرآن میں اس لئے ترجیح حاصل ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع ہے۔ قرآن حکیم انہی لوگوں کے حالات و واقعات پر اترا ہے، وہ اس کے سبب نزول سے واقفیت رکھتے تھے، انہیں عرب ہونے کی بناء پر عربی زبان میں غیر معمولی مہارت اور اس کے اسالیب بیان سے گہری مناسبت حاصل تھی، انہوں نے ذاتی اجتہاد و استنباط کے ذریعہ بھی تفسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ امت تک پہنچایا۔ ان میں سے حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ان کی طرف منسوب روایات میں بھی صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات ملتی ہیں اس لئے اصول حدیث کے مطابق ان کی چھان بین ضروری ہے۔ ان کے تفسیری اقوال کی حجیت مفسرین

کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ البتہ اس میں معتدل نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے اقوال اس وقت حجت ہوں گے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر مستند طریقہ سے منقول نہ ہو۔ اگر قول صحابی حدیث رسول سے معارض ہو تو قابل قبول نہ ہوگا۔ البتہ صحابہ سے منقول تفاسیر میں اختلاف کی صورت میں ان میں تطبیق کی کوشش کی جائے گی اور تطبیق نہ ہونے کی صورت میں دلائل کے ساتھ ایسے قول کو ترجیح دی جائے گی جو دلائل کے اعتبار سے اقوی اور اوفق للنص ہو۔ اسی لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں اجتہادھم فوق اجتہادنا۔ (صحابہ کا اجتہاد ہمارے اجتہاد سے بڑھ کر ہے)۔

تابعین کے اقوال کی قدر و قیمت کے لئے اتنا کافی ہے کہ انہوں نے براہ راست صحابہ کرام سے علم تفسیر حاصل کیا اور ان کے تفسیری سرمایہ کو امت تک پہنچایا۔ ان میں مجاہدؒ، قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، علقمہؒ، حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ان کے تفسیری اقوال کے متعلق متوازن رائے یہی ہے کہ تابعی کی کسی صحابی کی طرف منسوب تفسیر کی حیثیت وہی ہوگی جو صحابی کی تفسیر کی ہے البتہ جس بات پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جہاں تابعین مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہو سکتا ہے نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر ایسے مواقع پر عربی لغت، سنت نبوی، آثار صحابہ اور دیگر شرعی دلائل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہاں اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ صحابہ و تابعین کے بیشتر تفسیری اقوال میں اختلاف محض لفظی اور تعبیری ہے، بسا اوقات ایک ہی مفہوم کو جداگانہ الفاظ و عبارات کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ سے اختلاف کا دھوکہ ہونے لگتا ہے حالانکہ سب کا مرجع و مقصود ایک ہی ہوتا ہے (ابن تیمیہ نے اس کی بعض مثالیں مقدمہ اصول التفسیر میں دی ہیں) (۳۲) اس لئے محض اس بناء پر کہ ان کی طرف منسوب اقوال و آراء باہم متناقض ہیں ان کے چھوڑے ہوئے بیش قیمت تفسیری ورثہ کو نظر انداز کرنا، اسے رطب ویابس کا مجموعہ قرار دینا اور تفسیر کی بنیاد خالص لغت اور ذاتی اجتہاد پر رکھنا قرین انصاف نہیں بلکہ اس سے بہت سے فتنوں اور گمراہیوں کے کھلنے کا اندیشہ ہے۔

ماخذ چہارم ۔ لغت عرب:۔

قرآن حکیم کے صریح اور واضح احکام و مضامین کی معرفت کا واحد ذریعہ لغت عرب ہے' مگر جہاں کوئی حکم اور مضمون مبہم' مجمل اور مشکل ہو وہاں ترجیح قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین ہی کو حاصل ہوگی' یہاں سے کوئی راہنمائی نہ ملتی ہو اور قابل اطمینان حل سامنے نہ آتا ہو تو اس صورت میں خالص لغت عرب کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مفسرین صحابہ بالخصوص عبداللہ بن عباسؓ جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" ۔ نعم ترجمان القرآن انت۔ اور ان کے متعلق یہ دعا فرمائی تھی۔ "اللهم فقه فی الدین" ۔ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود مشکلات قرآنی میں لغت کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: "میں فاطر السموات ' کے معنی نہیں جانتا تھا ایک دفعہ اتفاقاً دوبدو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے میرے پاس آئے ان میں سے ایک بولا: انا فطرتها۔ (میں نے یہ کنواں سب سے پہلے کھودا ہے) تو فاطر کے معنی میری سمجھ میں آگئے"۔ (۳۳)

مگر لغت سے استدلال میں صحابہ کرام کا طرز عمل بڑا محتاط تھا۔ اگر اتفاقاً انہیں کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوتے تھے تو قیاس و اجتہاد کے بجائے خاموشی اختیار کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق ایسی روایات ملتی ہیں کہ تفسیر بالرائے کے اندیشہ سے انہوں نے قرآن حکیم کے بعض غریب الفاظ کی نسبت کوئی رائے ظاہر نہیں کی جن کے معنی انہیں معلوم نہ ہو سکے۔ (۳۴)

قرآن حکیم کے حقیقی فہم کے لئے عربی زبان کی اس سطح سے آشنا ہونا ضروری ہے جس پر قرآن حکیم اپنے مخصوص معیار و اسلوب پر فائز ہے' اس کے مطالب و دقائق اور اسرار و حکم تک رسائی کے لئے عربی زبان سے گہری ممارست کے ساتھ ساتھ عربیت کا صحیح ذوق بھی ضروری ہے ' یعنی اس زبان کی لطافتوں اور نزاکتوں کا علم' عربی لغات و محاورات' استعارات و کنایات' حقیقت و مجاز اور مختلف اسالیب کلام سے پوری واقفیت حاصل ہو اور یہ صلاحیت صرف لغت کی چند کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی' اس صلاحیت کو کماحقہ' حاصل کئے بغیر تفسیر کرنا گمراہی ہے۔

مجاہدؒ" کے الفاظ میں "کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے جب تک کہ وہ لغات عرب کا عالم نہ ہو۔" (۳۵) اور امام مالکؒ" کے نزدیک ایسا شخص مستحق سزا ہے جو عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود کلام اللہ کی تفسیر کرتا ہو۔ (۳۶)

زبان و ادب اور تفسیر کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کر کے قرآن حکیم کو اپنے خود ساختہ نظریات کے تابع بنانے کا عمل تو ہر دور میں جاری رہا ہے مگر بالخصوص انیسویں اور بیسویں صدی میں یہ کوششیں اپنے عروج پر رہی ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ و محاورات کے غیر معروف، نامانوس اور قلیل الاستعمال معانی لغت کی چند کتابوں سے تلاش کر کے اسلام کے مسلمہ حقائق معجزات، جنت دوزخ، حشر نشر، ملائکہ و شیاطین وغیرہ کے متعلق ایسی دور از کار تاویلات کی گئیں جو سراسر تحریف کے زمرے میں آتی ہیں۔

اس قسم کی مثالیں سر سید احمد خان کی "تفسیر القرآن"، "تحریر فی اصول التفسیر" مقالات سرسید (حصہ دوم) اور پرویز کی "مطالب الفرقان" اور "مفردات القرآن" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

فہم قرآن میں جاہلی شاعری کی ضرورت و اہمیت:

حل مشکلات اور شرح غریب کے لئے اصل لغت یعنی جاہلی شاعری کی طرف رجوع کا ثبوت خود مفسرین صحابہ سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزلہ اللہ بلغۃ العرب رجعنا الی دیوانھا فالتمسنا معرفۃ ذالک منہ۔ (۳۷) (اشعار اہل عرب کے علوم و زبان کا مجموعہ ہیں اگر ہمیں قرآن حکیم کے کسی لفظ کا مفہوم ٹھیک معلوم نہ ہو سکے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل عرب کی زبان میں نازل فرمایا ہے لہٰذا ہم اس زبان کی طرف رجوع کریں گے اور اس کے ذریعہ اس کے معنی پہچانیں گے) ابو عبید ابن عباسؓ کے متعلق فرماتے ہیں: انہ کان یسئال عن القرآن فینشد فیہ الشعر۔ (۳۸) (ان سے قرآن حکیم کے معانی دریافت کئے جاتے تھے۔ تو وہ ان معانی کی دلیل میں شعر پڑھ کر سناتے تھے)۔ سیوطی نے "الاتقان" میں اپنی سند کے ساتھ عرب جاہلیت کے متعدد اشعار ابن عباسؓ سے نقل کئے ہیں جو انہوں نے قرآن حکیم میں وارد شدہ الفاظ کے معانی کے استفسار پر بطور نظیر پیش کئے ہیں، یہ تقریباً دو سو سوالات کے جوابات ہیں جو اشعار کے حوالے

سے آپ نے دیئے ہیں (۳۹)، ان کا کچھ حصہ ابن الانباری نے اپنی کتاب "الوقف والابتداء" میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں بھی ذکر کیا ہے۔ (۴۰) ان میں سے چند مثالیں حسب ذیل ہیں: مثلاً "عن الیمین وعن الشمال عزین"۔ (۴۱) میں لفظ "عزین" کے بارے میں سوال کیا گیا تو ابن عباس نے فرمایا اس کے معنی ہیں "حلق الرفاق" (ساتھیوں کے حلقے) اور استشہاد میں عبید بن الارص کا یہ شعر پڑھا۔

فجاؤوا یھرعون الیہ حتی　　یکونوا حول منبرہ عزینا

(وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے تاکہ اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ لیں)

اور "مثبور" (۴۲) کا معنی " ملعوناً محبوسا من الخیر" کے ساتھ کیا ہے اور استشہاد میں عبداللہ بن الزبعری کا یہ شعر پڑھا

اذ اتانی الشیطان فی سنۃ النوم　　ومن مال میلہ، مثبور، (۴۳)

(جب اونگھ کے وقت شیطان میرے پاس آیا اور جو اس کی طرف جھکتا ہے ملعون و نامراد ہوتا ہے)

ابن عباسؓ کو جاہلی ادب پر اتنا عبور تھا کہ لغت عرب اور غریب الفاظ کی تحقیق میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے متعلق جاحظ کی رائے یہ ہے - "کان عمرؓ بن الخطاب اعلم الناس بالشعر - (۴۴) (عمر بن خطابؓ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے) اور ابن رشیق نے ان کو اپنے دور میں شعر و شاعری کا سب سے بڑا نقاد قرار دیا ہے۔ (۴۵) عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام انہیں کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں (۴۶) انہوں نے امراء و حکام کو یہ فرمان بھیجا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیجے گئے فرمان کے الفاظ یہ تھے۔ مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق وصواب الرای و معرفۃ الانساب۔ (۴۷)

عربی شاعری کو فہم قرآن میں چونکہ خاص دخل ہے اسی لئے مقصدیت کے اس پہلو پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس کی تعلیم و تدریس کی خاص تاکید کی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی افادیت کا کس قدر احساس تھا؟ اور وہ قرآنی لغت کی تحقیق میں اس سے

کس طرح استفادہ کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے لوگوں سے سوال کیا کہ "اے لوگو! " اویاخذھم علی تخوف۔ (۴۸) کا کیا مطلب ہے؟ سب خاموش ہوگئے ۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! یہ ہماری لغت ہے یہاں "التخوف" کا معنی "التنقص" ہے (آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلا جانا) آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے استعمال کیا ہے' وہ بولا جی ہاں! ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا۔

تخوف الرحل تامکا قردا　　کما تخوف عود النبعة السفن' (۴۹)

(کجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے جس طرح نبعہ درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے) یہ شعر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا "لوگو! جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں"۔ (۵۰)

جاہلی شاعری کی افادیت کے مختلف پہلو:

جاہلی شاعری سے جہاں قرآن حکیم کے نادر' غریب اور مشکل الفاظ کی تحقیق میں مدد لی جاتی ہے وہاں اس کے ذریعہ قرآن حکیم کی ادبی' معنوی اور نحوی مشکلات کی بھی وضاحت ہوتی ہے' اس سے قرآن حکیم کے استعارات 'کنایات و اشارات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس کے ادبی محاسن اجاگر ہوتے ہیں اور اس کے مختلف اسالیب کا علم ہوتا ہے۔ نیز یہ اس تاریخی پس منظر کی بھی وضاحت کرتی ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا۔ اہل عرب کی مذہبی رسوم و معتقدات' ان کی مذہبی' سیاسی' معاشرتی اور تمدنی زندگی کے احوال اور ان کی اخلاقی حالت اور کیفیت کا نقشہ ان کے کلاسیکل لٹریچر سے کافی حد تک واضح ہوتا ہے اور فہم قرآن میں ان امور سے استفادہ انتہائی ضروری ہے۔ یہاں ہم ان پہلوؤں کی قدرے تفصیل کے ساتھ وضاحت کریں گے۔

(ا) مشکل اور غریب الفاظ کی تحقیق میں استفادہ:

مشکل اور غریب الفاظ کا مفہوم جب قرآن حکیم' سنت رسول اور آثار صحابہؓ سے واضح نہ ہو تو اس صورت میں جاہلی ادب کی طرف رجوع ضروری ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ مفسرین صحابہ بالخصوص حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ تفسیر قرآن میں بکثرت اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور لغات قرآنی کی تحقیق میں اشعار سے استشہاد کرتے

تھے۔ بعض اوقات کوئی لفظ لغت میں ایک ہی معنی کے لئے وضع ہوتا ہے۔ کبھی مختلف معانی کے لئے، کسی جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے کسی جگہ مجازی، کہیں اس کا لغوی مفہوم مراد لیا جاتا ہے، کہیں اصطلاحی، نزول قرآن کے وقت متعدد الفاظ ایسے تھے جن کے معانی تبدیل ہو چکے تھے مثلاً بعض الفاظ کے معانی جاہلیت میں عام تھے اسلام کے بعد وہ کسی ایک مفہوم کے لئے خاص ہو گئے جیسے صلوۃ، زکوۃ، حج، بیع، مزارعۃ وغیرہ، ایسے الفاظ بھی قرآن حکیم میں موجود ہیں جنہیں جاہلیت میں عرب استعمال نہیں کرتے تھے۔ مثلاً منافق، ایک اسلامی اسم ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں عرب ناواقف تھے، ابن الاعرابی کے نزدیک زمانہ جاہلیت کے کلام اور اشعار میں "فاسق" کا لفظ کبھی نہیں سنا گیا۔ اس لئے لغات قرآنی کی تحقیق کے لئے معمولی لغت دانی کافی نہیں، اس کے لئے جاہلی ادب کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام مذکورہ امور پر نظر رکھی جائے گی تاکہ حقیقی فہم کا دروازہ کھل سکے۔ ان امور سے صرف نظر کرنے کی بناء پر تفسیر قرآن میں بڑے فتنوں نے جنم لیا اور مختلف گمراہوں کے دروازے کھلے۔ کسی نے الفاظ کے حقیقی مفہوم کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لئے، کسی نے اصطلاحی اور شرعی مفہوم چھوڑ کر لغوی مفہوم لیا، کسی نے غیر معروف اور قلیل الاستعمال معنوں کو لغات سے تلاش کر کے قرآن حکیم سے اپنے فاسد عقائد و نظریات ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ معتزلہ کا "الی ربها ناظرة" (۵۱) میں نظر سے امید و توقع کا مفہوم مراد لینا ۔ "وکلم الله موسی تکلیما" (۵۲) میں کلم کے معنی زخمی کرنا مراد لینا ۔ روافض کا "فما استمتعتم به منهن" (۵۳) سے متعہ مراد لینا' سرسید کا "واضرب بعصاک الحجر" میں "لاٹھی کے سہارے چٹان پر چلنے کا معنی مراد لینا" اور "فالتقمه الحوت" (۵۴) میں یونس کو مچھلی کا صرف منہ میں پکڑنا مراد لینا (نہ کہ نگلنا) اسی سلسلہ کی چند مثالیں ہیں۔ (۵۵)

(ب) محاورات قرآنی کے مفہوم میں استفادہ:

کلام عرب، اس کے محاورات اور ان کے مواقع استعمال کے علم سے بھی کلام الٰہی کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً "کشف ساق" (جس کے لغوی معنی پنڈلی کھولنے کے آتے ہیں) اہل عرب کا ایک محاورہ ہے جسے عرب اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی سخت مصیبت کا وقت آ جاتا ہے، گھمسان کی جنگ چھڑی ہو تو کہا جاتا ہے۔ "شمرت الحرب عن ساقها" یا "کشفت الحرب عن ساقها" اصل میں جب انسان کسی کام پر ہمت باندھ کر محنت صرف کرنا چاہتا ہے تو پائنچے چڑھا

لیتا ہے اور پنڈلی کھول دیتا ہے' اس لئے یہ محاورہ شدت اور سختی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک رجز یہ شاعر اسے اپنے شعر میں استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے۔

قد کشفت عن ساقها فشدوا　　　وجدت الحرب بكم فجدوا (۵۷)

(اے بہادرو! لڑائی نے پنڈلی ننگی کر دی ہے تو سب زور سے حملہ کرو جنگ زوروں پر ہے اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو) لہٰذا آیت "یوم یکشف عن ساق" (۵۸) میں "کشف ساق" کا مفہوم جاہلی شاعری کے حوالے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کرب اور شدت کے مفہوم میں ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر بھی اس کی موید ہے۔ (۵۹)

اسی طرح آیت "فلیمدد بسبب الی السماء" (اسے چاہیئے کہ آسمان میں رسی تان لے) اور "فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض اوسلما فی السماء" (۶۰) (اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ کوئی سرنگ یا آسمان پر پہنچنے کے لئے کوئی سیڑھی تلاش کریں) یہ دونوں استعارے ہیں (یعنی آسمان میں رسی تانا یا سیڑھی لگانا) جو انتہائی اور آخری جدوجہد کے مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ زہیر اور اعشٰی شاعر نے یہ محاورہ اسی مفہوم کے لئے استعمال کیا ہے۔ مثلاً زہیر کہتا ہے۔

ومن هاب اسباب المنايا ينلنه'　　　وان يرق اسباب السماء بسلم (۶۱)

(اور جو موتوں کے موجبات سے ڈرے گا تو وہ موتیں یقیناً اسے پکڑ لیں گی اگرچہ وہ بذریعہ سیڑھی اطراف آسمان پر چڑھ جائے) اور اعشٰی شاعر کہتا ہے:

فلو كنت فی جب ثمانين قامة　　　ورقيت اسباب السماء بسلم (۶۲)

(ج) ادبی و نحوی مشکلات کے ازالہ میں استفادہ:

اہل زبان کے کلام کے تتبع سے زبان کے قواعد و اسالیب وضع ہوتے ہیں اور ان کے نظائر و شواہد کے لئے اہل زبان ہی کے مستند کلام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے' عربی زبان کے قواعد و اصول کا ماخذ کلام جاہلیت ہے' اسی سے زبان کے قواعد و اصول صرف و نحو اور لغت کی کتابیں مرتب ہوئی ہیں ۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں ادبی اور نحوی مشکلات فہم مطالب میں رکاوٹ بنتی ہیں وہاں ان کے ازالہ کے لئے قواعد و اسالیب زبان اور ان کے نظائر جو کلام عرب میں ہیں' کی طرف رجوع ضروری ہو جاتا ہے۔ اس موضوع کی افادیت درج ذیل مثالوں سے واضح ہوتی ہے۔

مثلاً آیت "واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانها لکبیرۃ الا علی الخاشعین" (۶۳) میں یہ اشکال ہے کہ "ھا" ضمیر کا مرجع "صلوۃ" ہے یا "صبر" اور "صلوۃ" دونوں۔ حالانکہ ضمیر واحد مونث ہے۔ مفسرین کی آراء اس سلسلے میں مختلف ہیں مگر یہ رائے زیادہ راجح ہے کہ اس کا مرجع "صبر" اور "صلوۃ" دونوں ہیں۔ اس کی تائید کلام عرب اور دیگر قرآنی نظائر سے ہوتی ہے، جہاں مذکر اور مونث کو جمع کر کے ان کی طرف کسی منصوب یا مجرور ضمیر کو راجع کرنا ہو تو عمومی قاعدہ تو یہی ہے کہ ضمیر تثنیہ (ھما) لائی جائے مگر جہاں معنی میں ابہام کا اندیشہ نہ ہو اور مذکر و مونث کی طرف ضمیر کے رجوع کے قرائن بالکل واضح ہوں (جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہیں) تو بغرض اختصار ضمیر واحد مونث "ھا" لائی جا سکتی ہے۔ کلام عرب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً حماسی شاعر عبداللہ ابن الزبیر الاسدی کہتا ہے:

سمعت بکاء باکیۃ و باک　　　ابان الدھر واحدھا الفقیدا (۶۴)

(اگر تو ہند اور رملہ کا رونا دیکھتا تو تو ایسی عورت اور مرد کا رونا سنتا جن کا اکلوتا (بیٹا) گم ہو گیا ہو، زمانے نے اسے ان سے جدا کر دیا ہو)

اس شعر میں "باکیۃ" اور "باک" کے لئے ضمیر واحد مونث "واحدھا" لائی گئی ہے نہ کہ "واحدھما" قرآن مجید میں بھی اس کے چند نظائر موجود ہیں مثلاً آیت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا" (۶۵) میں "ذھب" اور "فضۃ" دونوں اسماء کی طرف "ھا" ضمیر واحد مونث لائی گئی ہے اور آیت "واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ" (۶۶) میں "اللہ" اور "رسول" دونوں کی طرف "ہ" ضمیر واحد استعمال ہوئی ہے۔

نحوی مشکلات کے ازالہ کی ایک مثال آیت کریمہ "ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس" (۶۷) ہے (یعنی بے شک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت کی تخلیق اس لئے کی گئی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں جب کہ آیت "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (۶۸) سے ان کی تخلیق کی غایت عبادت معلوم ہوتی ہے۔ اس اشکال کے رازی نے مختلف جوابات دیئے ہیں تاہم ان کے نزدیک پسندیدہ جواب یہ ہے کہ "لجھنم" میں "لام" عاقبت کے لئے ہے یعنی ان کی تخلیق کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے کفر اور نافرمانی کے سبب اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا دیا اور "ما

خلقت الجن والانس الالیعبدون- میں "لام" غایت کا ہے یعنی ان کی پیدائش کی غرض وغایت یہ تھی کہ یہ عبادت کریں ۔ شعراء عرب نے "لام" عاقبت کے لئے اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے مثلاً ایک شاعر کہتا ہے۔

وللموت تغذو الوالدات سخالها　　　کما لخراب الدهر تبنی المساکن

(مائیں بچے جنتی ہیں تاکہ وہ لقمہ اجل بنیں اور محلات ویران ہونے کے لئے تعمیر ہوتے ہیں) ایک اور شاعر کہتا ہے۔

اموالنا لذوی المیراث تجمعها　　　ودورنا لخراب الدهر نبنیها

(ہم اپنے مال ورثاء کے لئے جمع کرتے ہیں اور اپنے مکانات زمانے کے حوادث کے لئے تعمیر کرتے ہیں) تیسرا شاعر کہتا ہے۔

له ملک ینادی کل یوم　　　لدوا للموت وابنو الخراب (۶۹)

(فرشتہ ہر دن اسے پکار پکار کر کہتا ہے کہ موت کے لئے جنو اور برباد کرنے کے لئے تعمیر کرو)

ان سب اشعار میں لام غایت کے لئے نہیں عاقبت کے لئے استعمال ہوا ہے قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر اس کی کئی نظیریں موجود ہیں ۔ مثلاً آیت "فالتقطه' ال فرعون لیکون لهم عدوا و حذنا- (۷۰) (موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ بڑا ہو کر ان کا دشمن بنے) یعنی ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسیٰ نے بڑے ہو کر فرعون کو سخت نقصان پہنچایا ۔ یہاں بھی لام عاقبت کے لئے ہے۔ (۷۱)

آیت کریمہ "القیا فی جهنم کل کفار عنید- (۷۲) سے قبل "قرین" واحد ہے۔ یہاں "الق" صیغہ واحد امر حاضر کے بجائے "القیا" تثنیہ کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے؟ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ خلیل اور اخفش کے نزدیک فصحائے عرب واحد کے لئے بھی بسا اوقات تثنیہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس طرح کہ ایک دوست کے لئے "خلیلی" کے بجائے خلیلی" (تثنیہ) عام مروج ہے۔ اس کی نظیر امرؤالقیس کا ایک شعر بھی ہے جس میں وہ ایک رفیق سفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

قفانبک من ذکری حبیب و منزل (۷۳)

(اے میرے دوست ! ذرا ٹھہرو تاکہ ہم اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کر کے کچھ آنسو بہائیں یہاں "قف" کے بجائے "قفا" تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

آیت کریمہ "قالوا ان ھذان لساحران۔ (۷۴) میں بھی ایک اشکال ہے کہ لفظ ان ان کا مخفف ہے جو کہ ناصب اسم ہے اس لئے قاعدہ کی رو سے آیت کے الفاظ ان ھذین لساحرین" ہونے چاہئیں تھے، مگر یہاں ھذان مرفوع ہے۔ قرطبی نے اس اشکال کا جواب مبرد اور اخفش کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ یہاں ان حروف ناصبہ میں سے نہیں بلکہ نعم (ہاں) کے معنی میں ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے متعدد اشعار بطور استشہاد پیش کئے ہیں (۷۵) مگر علماء نحو و لغت و تفسیر کے ہاں یہ جواب زیادہ پسندیدہ ہے کہ عرب کے بعض قبائل تثنیہ کو رفعی، نصبی اور جری حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے

ان اباھا و ابا اباھا . قدبلغا فی المجد غایتاھا

قرطبی کے نزدیک بنی الحارث، بنی کعب، زبیر، خثعم اور کنانہ سب تثنیہ کو الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ (۷۶)

مقطعات قرآنیہ کی بحث میں بھی مختلف مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور صلاحیت کے موافق کلام کیا ہے اس مسئلہ میں ان کی آراء مختلف ہیں ان میں سے ایک رائے جو اہل علم کے ہاں معروف ہے یہ ہے کہ حروف مقطعات سے دراصل ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جن سے یہ حروف لئے گئے ہیں یعنی یہ حروف ان کلمات کی مخفف شکل (Abbreviation) ہیں (اگرچہ ان کلمات کو معین کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے) مثلاً ابن عباسؓ سے "الم" کا ایک معنی "انا اللہ اعلم" منقول ہے۔ اور کھیعص کے متعلق فرماتے ہیں کہ کاف "الملک" سے "ہا" اللہ سے یاء اور عین "عزیز" سے اور صاد "المصور" سے لیا گیا ہے (۷۷) پورا کلام ذکر کرنے کے بجائے اس کے بعض اجزاء پر اکتفا کرنا اہل عرب کے ہاں معروف ہے۔ اس نقطہ نظر کی تائید میں سیوطی نے شعراء عرب کے کلام سے اس طرح کی چند مثالیں پیش کی ہیں مثلاً ایک شاعر کہتا ہے۔

قلت لھا قفی فقالت ق

(میں نے اسے کہا ٹھہر جا تو اس نے کہا ق یعنی وقفت (میں ٹھہر گئی)۔ اس میں لفظ ق وقفت کا اختصار ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

بالخیر خیرات وان شرافا　　　ولا ارید الشر الا ان تا(۷۸)

اس شعر میں وان شرافا سے مراد ہے "وان شرا فشر" (اگر شر چاہو تو شر ہوگا) اور الا ان تا" اختصار ہے "الا ان تشاء" سے (یعنی اگر تم چاہو)

(د) تاریخ عرب کا اہم ماخذ ہونے کی حیثیت سے استفادہ:

اشعار جاہلیت تاریخ عرب کا اہم ماخذ ہیں فہم قرآنی کے سلسلے میں اہل عرب کے احوال سے تفصیلی واقفیت ضروری ہے جب تک ان کے عقائد و افکار، تہذیب و تمدن، رسوم و بدعات سے واقفیت حاصل نہ ہو اور اس دور کے تاریخی، جغرافیائی، معاشرتی اور سماجی حالات پر نظر نہ ہو اس وقت تک ان سے متعلق آیات کی صحیح تشریح وتوضیح ممکن نہیں ہو سکتی۔ جاہلی شاعری میں ان موضوعات کی تفصیلات جا بجا ملتی ہیں۔

اس موضوع کا ایک افادی پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں ان انقلابی تبدیلیوں کا بھی علم ہوتا ہے جو قرآن حکیم کے ابدی پیغام کی ترویج کے ذریعہ عرب معاشرہ میں پیدا ہوئیں۔ یہاں ہم ایک دو مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت کریں گے مثلاً قیامت کے وقوع کے وقت خاص طور پر پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے کا ذکر جن آیات کریمہ میں ہے (مثلاً "ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفها ربی نسفا فیذرها قاعا صفصفا لاتری فیها عوجا ولا امتا (۷۹) اور "وتکون الجبال کالعهن المنفوش" (۸۰) وغیرہ دراصل اہل عرب کے بعض مغالطوں کی تردید میں ہے۔ مثلاً جہاں وہ حشراجساد کو بعید از عقل خیال کرتے تھے وہاں پہاڑوں کے متعلق بھی ان کے بہت سے داناؤں کا یہ خیال تھا کہ وہ غیرفانی ہیں یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی دن روئے زمین سے غائب ہو جائیں۔ زہیر جو عرب کے حکیم شعراء میں سے ہے کہتا ہے۔

الا اری علی الحوادث باقیا　　　ولا خالدا الا الجبال الرواسیا (۸۱)

(حوادث روزگار کے مقابل میں ان مستحکم پہاڑوں کے سوا کسی اور چیز کو قائم و دائم رہنے والا

خیال نہیں کرتا)

قرآن حکیم میں پہاڑوں کے غیرفانی ہونے کی پر زور انداز میں تردید دراصل اہل عرب کے بعض گروہوں کے اس عقیدہ کی بناء پر جس کی وضاحت ان کی شاعری سے ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ بعض اہل عرب کے اس عقیدہ کا ذکر ہے کہ وہ جنوں کے پاس پناہ لیا کرتے تھے۔ وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا۔ (۸۲) (انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے کچھ لوگوں کے پاس پناہ لیا کرتے تھے جس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی) اس کی وضاحت درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے کہ جب وہ کسی وادی میں داخل ہوتے تھے تو اس وادی کے بڑے جن سے پناہ مانگتے تھے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کے دوران ایک وادی کے جن سے پناہ لی مگر اس کے بیٹے کو ایک شیر نے کھا لیا تو اس نے کہا۔

قد استعذنا بعظیم الوادی　　　من شر ما فیہ من الاعادی

فلم یجرنا من ھز بر عادی (۸۳)

(ہم نے اس وادی کے بڑے (جن) کے پاس پناہ لی کہ وہ ہمیں اس وادی کے دشمنوں سے بچائے مگر اس نے ہمیں سرکش شیر سے پناہ نہ دی)

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

قدبت ضیفا لعظیم الوادی　　　المانعی من سطوۃ الاعادی

راحلتی فی جارہ وزادی (۸۴)

(میں نے وادی کے بڑے آدمی کے یہاں مہمان بن کر رات گذاری جو مجھے دشمنوں کے غلبہ سے بچانے والا ہے' میری سواری اور زاد راہ دونوں اس کی پناہ میں ہیں)

عربوں کے رسوم و رواج میں سے ایک دستور یہ تھا کہ وہ اپنے ڈیروں پر اونچی جگہ الاؤ روشن کرتے تھے' بھولے بھٹکے مسافر وہاں آ جاتے اور یہ ان کی ضیافت کرتے۔ عرب کا ایک شاعر

اپنے ممدوح کی سخاوت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

له نار تشب علی ایفاع   اذ النیران البست القناعا (۸۵)

(اس کی ایسی آگ ہے جو بلند مقامات پر جلائی جاتی ہے تاکہ مسافر دور سے دیکھ کر اس کے مہمان بنیں جب کہ اور لوگوں کی آگیں (قحط میں مہمانوں سے) چھپائی جائیں)

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

وانی لا دعوا الضیف بالضوء بعدما   کسا الارض نضاح الجلید جامده (۸۶)

(میں مہمان کو آگ کی روشنی کے ذریعہ بلاتا ہوں جب کہ شبنم ریزاں اور جمنے والی' زمین کو بالکل ڈھانپ دے (یعنی سخت سردی اور زمانہ قحط میں)

ان اشعار سے عربوں کے اس دستور کی وضاحت پیش نظر نہ ہو تو آیت کریمہ نحن جعلناها تذکرۃ و متاعا للمقوین (۸۷) (ہم نے اس (آگ) کو نصیحت بنایا ہے اور مسافروں کے لئے فائدہ مند) کا مفہوم واضح نہیں ہو سکتا۔ آگ اگرچہ مقیم اور مسافر دونوں کے لئے مفید ہے مگر مسافروں کے لئے اس کی افادیت کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب مذکورہ اشعار سے بخوبی ممکن ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ تاریخ عرب کا اہم اور مستند ماخذ خود قرآن حکیم ہے' عرب کی سابقہ اقوام مثلاً عاد و ثمود' مدین اور قوم لوط وغیرہ کی تفصیلات قرآن حکیم میں جابجا موجود ہیں' ان اقوام کے عقائد' ان کے انبیاء کی دعوت اور قوم کے ردعمل کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ شعراء عرب کے کلام میں ان اقوام کے متعلق تفصیلی تذکرہ موجود نہیں البتہ بعض اشارات ضرور ہیں جن سے ایک خاص حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آیت کذبت ثمود بطغوها اذا انبعث اشقاها (۸۸) میں اشقاها (قوم ثمود کا بد بخت آدمی) سے کون مراد ہے؟ اس کا جواب ہمیں خنساء کے اس شعر سے ملتا ہے۔

ولاقاه من الایام یوم   کما من قبل لم یخلد قدار (۸۹)

(اور اس کو گردش روزگار نے فنا کر دیا' جس طرح اس سے پہلے قدار کو دوام نہیں حاصل ہوا)

فراہی لکھتے ہیں: شعر میں قدار سے مراد احمر ثمود ہے' جو قوم کا سردار تھا اور جس نے

اونٹنی کو گزند پہنچایا تھا جس طرح عاد میں قیل بن عمر گذرا ہے اسی طرح قوم ثمود میں یہ نہایت سرکش اور مطلق العنان سردار تھا۔ مشہور شاعر افوہ اودی نے اپنے قصیدہ میں اپنی قوم کے پاجیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کو "قیل" اور "قدار" کے ساتھ تشبیہ دی ہے

اضحوا کقیل بن عمر فی عشیرتہ اذا ھلکت بالذی سدی لھا عاد

او بعدہ کقدار حین تابعہ علی الغوایۃ اقوام فقد بادوا (۹۰)

(ان کا حال وہی ہے جو قیل بن عمر کا اپنی قوم کے اندر تھا کہ اس کے کرتوت کی بدولت عاد ہلاک ہوئے یا اس کے بعد قدار کا جس کی لوگوں نے گمراہی میں پیروی کی اور ہلاک ہوئے)

عرب کی قدیم تاریخ اور اقوام کی تاریخ سے متعلق جاہلی شاعری سے کوئی خاص راہنمائی نہیں ملتی البتہ دور جاہلیت کے متعلق تفصیلی مواد دستیاب ہے۔ ان موضوعات کے فہم میں اصل اعتماد قرآن حکیم پر رکھنا ہوگا اور تمام متعلقہ آیات کو یکجا کر کے ان سے استفادہ کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث کی طرف بھی رجوع کرنا ہوگا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث میں سابقہ اقوام کے حالات و واقعات پر متعدد احادیث منقول ہیں جن سے بعض مجملات قرآن کی توضیح ہوتی ہے۔ نیز صحابہ کرام کی طرف منسوب اس موضوع سے متعلق صحیح اور سقیم روایات اور اسرائیلیات میں چھان بین کے بعد استفادہ کرنا ہوگا۔ آیات کی تفسیر میں ایسے بے کار قصوں سے اجتناب ضروری ہے جن سے فہم قرآن میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ بسا اوقات وہ اس کے حقیقی مفہوم کی تعیین میں سنگ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جہاں کسی مضمون کی وضاحت بالتفصیل اشعار عرب سے ہو رہی ہو اور قرآن و سنت اور تفسیر صحابہ سے کوئی راہنمائی حاصل نہ ہوتی ہو وہاں قطعیت کے ساتھ ہرگز فیصلہ نہ کیا جائے کہ اس کی حقیقی مراد یہی ہے بلکہ وہاں الفاظ کی دلالت اس مفہوم و مضمون پر ظنی ہوگی اور اس میں دیگر احتمالات کی گنجائش باقی رہے گی۔

(ھ) ادبی محاسن اور اسالیب کلام کے فہم میں استفادہ:

قرآن حکیم کے ادبی محاسن، معجزانہ خصوصیات اور متنوع اسالیب کو سمجھنے اور جانچنے کے لئے جاہلی ادب سے واقفیت انتہائی ضروری ہے، جہاں فہم معانی میں اس کی افادیت مسلم ہے وہاں قرآن حکیم اور کلام عرب میں باہمی تقابل و موازنہ سے قرآن حکیم کی امتیازی شان اور معجزانہ

خصوصیات بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ مثلاً کسی مفہوم کی ادائیگی کے لئے قرآن حکیم عربی لغت سے ایسے لفظ کا انتخاب کرتا ہے جو سیاق کلام اور موقع و محل کے مطابق اور ترجمانی کے لحاظ سے سب سے زیادہ موزوں ہوتا ہے' بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم بہت سے الفاظ و کلمات کا موجد ہے۔ عربی زبان و ادب متعدد الفاظ میں کلام الٰہی کا رہین منت ہے کہ اس نے جہاں عربی زبان کے ذخیرہ کو وسعت اور رونق بخشی وہاں اسے ایسے مختصر' جامع اور فصیح الفاظ سے آشنا کرایا جن سے عرب بالکلیہ ناواقف تھے۔ قرآن کا یہ امتیاز جاہلی ادب کے مطالعہ سے واضح اور نمایاں ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال لفظ "توفی" ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کو پورا پورا لینے کے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن حکیم نے اسے "موت" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ (۹۱) شعراء عرب نے اس لفظ کا استعمال "موت" کے معنی میں نزول قرآن کے بعد کیا ہے۔ ابن سیدہ اندلسی نے "المخصص" میں جاہلی شاعری کے حوالوں سے "موت" کے لئے عربی زبان کے ۲۴ الفاظ ذکر کئے ہیں جنہیں جاہلی شعراء نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے مثلاً موت' ہلاک' فناء' حتف' شعوب' حمام' منون' سام' قاضیہ' ہمیغ' نیط' فود' جباز' مقدار' جیاز' حلاق' طلاطل طلاطلہ' غول' زام' کفت' جداع' حزرہ' خالج۔ موت کے لئے ان الفاظ کا انتخاب جاہلی شعراء کے ہاں ان کے مشرکانہ عقائد و تصورات کے مطابق تھا کہ جسم فانی ہے اور حیات ثانی ممکن نہیں' قرآن حکیم نے "موت" کے لئے لفظ "توفی" کا لفظ استعمال کر کے جہاں حیات اخروی کو بطور عقیدہ پیش کیا وہاں اس کے ضمن میں مشرکین کے فاسد عقائد پر بھرپور تنقید کی ہے۔ "توفی" کے لغوی معنی پورا پورا وصول کرنے کے ہیں اس طرح کہ کسی چیز میں کمی نہ ہونے پائے "موت" کے لئے اس لفظ کے استعمال نے واضح کر دیا کہ "موت" ابدی فنا کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح قبض کرنے کا نام ہے وہ جب چاہے جسم کے منتشر کو یکجا کر کے ان میں دوبارہ روح لوٹا سکتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنی تحقیقات میں اس موضوع پر بڑا عمدہ کلام کیا ہے۔ (۹۲)

اسی طرح عربی کے بعض ثقیل الفاظ جنہیں غیر فصیح خیال کیا جاتا ہے اور جن کے استعمال سے کلام میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے' قرآن حکیم میں اس قدر سلیقے سے استعمال کئے گئے ہیں کہ وہ کلام کی سلاست کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے حسن و لطافت میں بھی اضافے کا موجب بنتے ہیں۔

قرآن حکیم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس زبان کے اسالیب گوناگوں اور متنوع ہیں اس لئے قرآن حکیم میں بھی ان اسالیب کے موافق کلام کیا گیا ہے جو عربوں کے ہاں معروف تھے مثلاً حقیقت و مجاز' استعارات و کنایات' ایجاز و اطناب' تاکید و مبالغہ طنز و تعریض' تاسف و ملامت وغیرہ کا استعمال' جاہلی شاعری ان اسالیب کا احاطہ کرتی ہے اور قرآن حکیم کے بیشتر اسالیب ان اسالیب کے مطابق ہیں' ان کی معرفت کے بغیر فہم قرآن کا دروازہ نہیں کھل سکتا' اور اس کے لئے معمولی عربی دانی کافی نہیں عربیت کا پختہ ذوق شرط ہے۔ امام شافعیؒ کے بقول جب تک کسی عبارت کو عربی ہی کے انداز فہم و تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کوئی شخص قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکتا: قرآنی مفہوم و مطالب کے بہت سے گوشے اور پہلو ایسے ہوں گے جو اس کی عقل و فہم کی گرفت میں نہ آسکیں گے۔ (۹۳)

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ کتاب ان اسالیب کے دائرے میں رہ کر اپنے مفہوم و مقصد کو اس قدر عمدہ اور بہتر انداز میں پیش کرتی ہے کہ اس سے بہتر اسلوب اور تعبیر ممکن ہی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ اپنے منفرد اسالیب شوکت کلام' فصاحت و بلاغت' نظم و ترتیب لطافت و سادگی اور ایجاز واختصار کی بناء پر اعجازی خصوصیات کی حامل ہے' قرآن حکیم کے یہ محاسن کلام عرب کے ساتھ تقابل و موازنہ سے بخوبی کھل سکتے ہیں۔

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی درست نہ ہوگا کہ قرآن حکیم اپنے بیان میں انہی اسالیب تک محدود ہے جو کلام عرب میں موجود ہیں بلکہ وہ بہت سے نئے اسالیب کا موجد بھی ہے "اسالیب القرآن" کے عنوان سے فراہی مکتب فکر کے بانی مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی اس تصنیف میں بڑی عمدہ بحث کی ہے' انہوں نے کلام عرب اور قرآن حکیم کی مثالوں سے ان اسالیب کو واضح کیا ہے جو عربی زبان اور قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہیں' انہوں نے قرآن حکیم کے بعض نئے اسالیب سے بھی متعارف کروایا ہے جو صرف قرآن حکیم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ صحابہ کرام خالص عرب اور اہل زبان ہونے کی بناء پر نیز نزول قرآن کے احوال و قرائن بچشم خود ملاحظہ کرنے اور صحبت نبوی سے مستفید ہونے کی وجہ سے کلام الہی کے مدلول و منطوق' اس کے اشارات و کنایات' اس کی نزاکتوں اور لطافتوں اور جملہ

اسالیب کلام سے ہم سے زیادہ آگاہ اور باخبر تھے' اس لئے محض زبان دانی پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ سے منقول تفسیری سرمایہ کو نظر انداز کرنا ہرگز دانشمندی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے استفادہ کئے بغیر مراد الٰہی تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ' وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الشعراء : ۲۶:۱۹۵

۲۔ زرکشی: "البرھان فی علوم القرآن" ۔ مصر' عیسی البابی الحلبی ' ط ۱۳۷۶ھ ج ۲ ص ۱۷۱

۳۔ البقرۃ : ۲:۳۷

۴۔ الاعراف: ۷:۲۳

۵۔ البقرۃ : ۲:۴۰

۶۔ المائدۃ : ۵:۲۰

۷۔ المائدۃ : ۵:۶۰

۸۔ البقرۃ : ۲:۲۲۲

۹۔ البقرۃ : ۲:۲۳۶

۱۰۔ البقرۃ : ۲:۲۳۷

۱۰۔(الف)الاحزاب : ۳۳:۴۹

۱۱۔ الفلق : ۱۱۳:۱

۱۲۔ الانعام : ۶:۹۷

۱۳۔ الانعام : ۶:۹۶

۱۴۔ الانبیاء : ۲۱:۳۰

۱۵۔ اصلاحی' امین احسن: "تدبر قرآن" ۔ ۷ ۹ ص ۶۶۰

۱۶۔ الشعراء: ۲۶: ۱۹۳۔۱۹۴

۱۷۔ النساء: ۴: ۱۷۱

۱۸۔ الزخرف: ۴۳: ۵۲، الاسراء: ۱۷: ۸۵

۱۹۔ دیکھئے۔ "مبادی تدبر قرآن"۔ از امین احسن اصلاحی، لاہور، فاران فاونڈیشن ۱۹۹۶ء ص ۶۰

۲۰۔ النحل: ۱۶: ۴۴

۲۱۔ آل عمران: ۳: ۱۶۴

۲۲۔ الانعام: ۶: ۸۳

۲۳۔ الفاتحہ: ۱: ۷

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ الانفال: ۸: ۶۰

۲۶۔ الحجرات: ۴۹: ۲۶

۲۷۔ البقرۃ: ۲: ۱۸۷

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ المائدۃ: ۵: ۳۸

۳۰۔ النحل: ۱۶: ۸۷

۳۱۔ دیکھئے: انظر شاہ مسعودی: "نقش دوام" لاہور، فیمس بکس ۱۹۸۹ء ص ۳۴۲۔۳۴۳

۳۲۔ دیکھئے: ابن تیمیہ کی "مقدمۃ فی اصول التفسیر

۳۳۔ سیوطی: "الاتقان فی علوم القرآن"۔ مصر، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۰۷ھ ص ۱۱۳

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً ج ۲ ص ۱۷۵

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ ایضاً ج ا ص ۱۱۹

۳۸۔ ایضاً ج ا ص ۱۲۰

۳۹۔ ایضاً ج ا ص ۱۲۰۔۱۳۳

۴۰۔ المعارج : ۷۰: ۳۷

۴۱۔ الاتقان ج ا ص ۱۲۰

۴۲۔ الاسراء : ۱۷: ۱۰۲

۴۳۔ الاتقان ج ا ص ۱۲۱

۴۴۔ جاحظ : "کتاب البیان و التبیین" ط ۲ مصر ص ۹۷

۴۵۔ ابن رشیق :"کتاب العمدۃ " ۔ اشعار الخلفاء ج ا ص ۱۲

۴۶۔ ایضاً ج ا : ۵۹ (باب المشاہیر بین الشعراء' نیز ج ۲ ص ۲۳۸

۴۷۔ "کتاب البیان و التبیین" ص ۲۱۳

۴۸۔ النحل : ۱۶: ۴۷

۴۹۔ قرطبی: "الجامع لاحکام القرآن"۔ القاہرۃ ۔ دار الکاتب العربی ۔ ۱۳۸۷ھ ج ۱۰ ص ۱۱۰

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ القیامہ : ۷۵:۲۳

۵۲۔ النساء : ۴ : ۱۶۴

۵۳۔ النساء : ۴ : ۲۴

۵۴۔ البقرۃ : ۲: ۶۰ ' الصفت : ۳۷: ۱۴۲

۵۵۔ مذکورہ حوالوں کے لئے دیکھئے : زمخشری: "الکشاف" : مصر ' مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی' ۱۳۸۵ھ ج ۴ ص ۱۹۲۔ زمخشری نے نظر سے امید وتوقع کا مفہوم کے لئے اس شعر سے استدلال کیا ہے۔ واذا نظرت الیک من ملک + والبحر دونک زدتنی نعما نیز دیکھئے "الکشاف ج ا ص ۵۸۲ ' اکثر روافض فما

استمتعتم سے متعہ مراد لیتے ہیں' سرسید کے حوالوں کے لئے دیکھئے۔ سرسید احمد خان : "تفسیر القرآن"۔ لاہور ۔ دوست ایسوسی ایٹس ۔ ۱۹۹۵ء ص ۹۱۔ نیز "مقالات سرسید" مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ۔ تفسیری مضامین (حصہ دوم) لاہور مجلس ترقی ادب ص ۲۵۳

۵۶۔ راغب: "المفردات فی غریب القرآن" : کراچی' اصح المطابع (س ۔ ن) ص ۲۴۹

۵۷۔ تفسیر "قرطبی" ج ۱۸ ص ۲۴۹

۵۸۔ القلم : ۶۸ : ۴۲

۵۹۔ تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۲۴۹

۶۰۔ الحج : ۲۲: ۱۵' الانعام: ۶: ۳۵

۶۱۔ دیکھئے السبع المعلقات: معلقہ زہیر۔ التعلیقات علی السبع المعلقات"۔ دیوبند' کتب خانہ رحیمیہ ۱۳۷۴ھ ص ۵۸

۶۲۔ الالوسی : "تفسیر روح المعانی" ۔ لاہور ۔ المکتبۃ الرشیدیہ ۔ ج ۹ ص ۱۳۶

۶۳۔ البقرۃ : ۲: ۴۵

۶۴۔ ابو تمام : "دیوان الحماسۃ " ۔ پشاور ۔ فضل مالک تاجران کتب ص ۱۷۶۔۱۷۷ (س ۔ ن)

۶۵۔ التوبہ : ۹: ۳۴

۶۶۔ التوبہ : ۹: ۶۲

۶۷۔ الاعراف : ۷: ۱۷۹

۶۸۔ الطور : ۵۲: ۵۶

۶۹۔ الرازی : "التفسیر الکبیر" ۔ طہران ۔۔ دارالکتب العلمیۃ (س ۔ ن) ج ۱۵ ص ۶۲

۷۰۔ القصص : ۲۸: ۸

۷۱۔ "التفسیر الکبیر" ص ۶۲

۷۲۔ ق : ۵۰ : ۲۴

۷۳۔ "السبع المعلقات" معلقہ امرؤ القیس ۔ دیکھئے "التعلیقات علی السبع المعلقات" ص ۵

۷۴۔ طٰہٰ: ۲۰: ۹۳

۷۵۔ "تفسیر قرطبی" ج ۱۱ ص ۲۱۸

۷۶۔ ایضاً ج ۱۱ ص ۲۱۷

۷۷۔ "الاتقان" ج ۲ ص ۹

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ طٰہٰ: ۱۰۵۔۱۰۷

۸۰۔ القارعہ: ۱۰۱: ۵

۸۱۔ "تدبر قرآن" ج ۵ ص ۹۲

۸۲۔ الجن ۷۲: ۶

۸۳۔ دیکھئے الالوسی: "بلوغ الارب" (ترجمہ پیر محمد حسن) لاہور۔ مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۷ء ج ۳ ص ۳۳۶

۸۴۔ ایضاً ص ۳۳۷

۸۵۔ "دیوان الحماسۃ" ص ۳۲۰

۸۶۔ ایضاً ص ۳۴۳

۸۷۔ الواقعہ: ۵۶: ۷۳

۸۸۔ الشمس: ۹۱: ۱۱: ۱۲

۸۹۔ دیکھئے فراہی: "مجموعہ تفاسیر فراہی"۔ لاہور۔ مرکزی انجمن خدام قرآن ۱۳۹۳ھ ص ۲۹۱

۹۰۔ ایضاً

۹۱۔ مثلاً آیت "قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم"۔ السجدۃ: ۱۲: ۱۱

۹۲۔ دیکھئے۔ المخصص لابن سیدہ ج ۶ ص ۱۱۵۔ نیز "تحیۃ الاسلام" از انور شاہ کشمیری

مولانا یوسف بنوریؒ نے بھی شاہ صاحب کی کتاب "مشکلات القرآن" کے مقدمہ "یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن"۔ میں شاہ صاحب کے حوالے سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۷ھ میں طبع ہوئی دیکھئے ص ۵۶، مولانا تقی عثمانی نے بھی اپنی تصنیف "علوم القرآن" میں مذکورہ حوالوں کے ساتھ بحث کی ہے۔ ص ۲۵۵۔

۹۳ دیکھئے۔ سعید اکبر آبادی: "فہم قرآن" لاہور۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۸۲ء ص ۲۷۔۲۸۔